ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ماخذ تحقیقی مجلہ

رومانہ اعجاز
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج فار ویمن یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر زمرد کوثر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج فار ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

محاورہ اور روزمرہ: تعریف، خصوصیات، تشکیل اور امتیازات

Romana Ijaz
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Govt College for Women University, Faisalabad.
Dr. Zamurd Kousar
Associate Professor, Department of Urdu, Govt College for Women University, Faisalabad.

Idiom and Colloquial: Definition, Features, Formation and Differences

This study discusses different definitions, characteristics and utility of idiom and colloquial in the context of Urdu language. Historical evolution in the formation of Urdu idiom has also been traced out and the journey of Urdu idiom from Amir Khusrau is reevaluated. The paper also evaluates the significance of the idiom as guardian of the tradition of language owing to its capacities of permanence and continuity. In the light of definition of the idiom the methods of understanding of its meanings and origin have been derived with special reference to Urdu language. The paper also assesses the differences and similarities of colloquial with idiom. It concludes that the idiom's basic structure remains unchanged with minor changes in respect of the time, situation, speaker and listener. It is also found out that difference of figurative meanings mentioned in different collections of Urdu idioms is due to taking specific or broad meanings of any word or concept related with that particular idiom. Moreover, idiom is different from colloquial due to emphasis on its figurative meanings.

Key Words: *Definitions, Characteristics, of Idiom, Colloquial, Urdu Language.*

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

محاورے کی تعریف

محاورہ عربی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں "محور" شامل ہے جس کے معنی مرکزی نقطہ فکر و عمل جس کے گرد دائرے بنائے جاتے ہیں یہاں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ محاورہ زبان کا مرکزی نقطہ ہوتا ہے یہ وہ دائرہ ہوتا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود اپنے گرد پھیلی ہوئی بہت ساری حقیقتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ قاموس مترادفات میں محاورے کے معنی یوں درج ہیں:

(۱)بول چال، گفتگو، بات چیت، باہمی گفتگو، مکالمہ

(۲)کلام اہل زبان

(۳)مشق، مزاولت، مہارت

نور اللغات میں "کسی خاص گروہ کے بول چال" کو محاورہ کہا گیا ہے اور محاورہ پڑنا سے "روزمرہ کی عادت ہو جانا یا مشتق ہو جانا" مراد لیا گیا ہے۔

اصطلاح میں دو یا دو سے زائد الفاظ کے مجموعے کو محاورہ کہتے ہیں جو اہل زبان کے بول چال میں اپنے اصلی معنی کی بجائے کوئی اور معنی دے محاورہ کہلاتا ہے۔ محاورہ الفاظ کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس سے لغوی معنی کی بجائے ایک قرار یافتہ معنی نکلتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد ذاکر حسین کے بقول محاورہ دراصل وہ کلمہ یا کلام ہے جسے ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے لیے مختص کر لیا ہو۔ اور بقول مالک رام محاورہ اصطلاح میں ان الفاظ کو کہتے ہیں جو کثرت استعمال سے کوئی خاص معنی اختیار کر لیتے ہیں اور بسا اوقات یہ ان کے لغوی معنوں سے مختلف ہوتا ہے۔ محاورے کے معنی اور اس کے محل استعمال کا تعین اساتذہ کے کلام سے ہوتا ہے

کیفی کا کہنا ہے کہ 'وہ کلام جس کے لفظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتے ہوں محاورہ ہے "[۱]

سید محمود رضوی لکھتے ہیں کہ "صوری اعتبار سے محاورہ الفاظ کے ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جس سے لغوی کے بجائے عموماً دوسرے معنی نکلتے ہیں۔"[۲]

الطاف حسین حالی کے مطابق:

> "محاورہ لغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ بات چیت اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو خواہ مخالف لیکن اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ

میں پایا جائے۔ کیونکہ مفرد الفاظ کو روز مرہ یا بول چال یا اسلوب بیان نہیں کہا جاتا۔ بخلاف لغت کے اس کا اطلاق ہمیشہ مفرد الفاظ پر یا ایسے الفاظ پر جو بمنزلہ مفرد کے ہیں کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ترکیب جس پر محاورہ کا اطلاق کیا جائے قیاسی نہ ہو بلکہ معلوم ہو کہ اہل زبان اس کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔"(۳)

محاورے کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ "لفظوں کا ایک ایسا مجموعہ جو مستعمل ہو اور اس سے ایسے معنی اخذ ہوتے ہوں جو اس کے الفاظ کے انفرادی طور پر لیے گئے معنی سے مختلف ہوں، یہ ایک قسم کا تجربہ ہے جو ایک زبان، شخص، لوگوں کے ایک گروہ، اور عوام یا ملک کی ایک زبان سے متعلق ہو"

شان الحق حقی کے الفاظ میں محاورہ کی تعریف ہے "ہمکلامی، مکالمہ، وہ فعل مرکب جو مخصوص معنی میں یا بلا تفسیر انہی ترکیب کے ساتھ اہلِ زبان میں مستعمل ہو۔"

مرقع اقوال و امثال "جب ایک یا کئی لفظ مصدر سے مل کر حقیقی معنوں سے متجاوز ہو کر کچھ اور معانی دیں اس کو محاورہ کہتے ہیں"

محاورہ دو یا دو سے زائد الفاظ میں پایا جاتا ہے اس پر حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی کا اطلاق ہوتا ہے۔ محاورے کا اطلاق افعال پر بھی ہو سکتا ہے اور اسم پر بھی۔

ان تمام تعریفوں کو مد نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ محاورے کی تعریف میں تین باتوں پر زور دیا گیا ہے

(۱) محاورے میں دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا ہونا ضروری ہے

(۲) محاورے میں آنے والے لفظ اپنے اصل معنی کے علاوہ دوسرے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں اور سمجھے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر نو دو گیارہ ہونا لغوی معنی کا تعلق حساب سے ہے۔ محاورے میں اس کا مطلب بالکل ہی الگ ہے۔

(۳) محاورے کے لفظ جوں کے توں استعمال میں آئیں گے اور ان کی جگہ پر اس معنی کا کوئی دوسرا لفظ نہیں لایا جا سکتا۔ مثال کے لیے "چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات" میں چار کی جگہ پانچ یا کوئی عدد یا دن کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں لایا جا سکتا۔(۴)

محاورہ ایک طرح سے زبان میں استعاراتی عمل ہے جس میں کہیں تشبیہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے کہیں تمثیل کا کہیں تلمیح کا اس سے ایک خاص معنی مراد لیے جاتے ہیں یہ معنی مرادی ہوتے ہیں عام لغت کے تابع نہیں ہوتے

جیسے ہم محاورہ کے طور پر آگ بگولہ ہونا کہتے ہیں اور اس سے غیر معمولی غصہ اور طیش کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ محاورہ ذہنوں میں ایک تصویر یا مجسم شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس سے وہی معنی سمجھے اور سمجھائے جاتے ہیں جو ایک طرح سے اس محاورہ کے ساتھ روایت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ زمانہ بہ زمانہ لفظ استعارہ تشبیہ وغیرہ اپنے معنی میں تبدیلیاں پیدا کرتے رہتے ہیں الفاظ کی شکل بدل دیتے ہیں لیکن محاورہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ وہ لفظ و معنی کے جہان میں ایک پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے جو صدیوں تک بلکہ غیر متعین مدت تک اپنے خدوخال کو قائم رکھتا ہے۔ وہ ٹوٹ سکتا ہے چھوڑا جا سکتا ہے لیکن اپنی شکل تبدیل نہیں کرتا۔ اسی طرح سے محاورے ایک زمانہ کی لفظیات اور زبان کے تہذیبی یا تشبیہ و استعاراتی استعمال کی بعض صورتوں کو محفوظ رکھتے ہیں

زبان میں محاورہ دو حیثیت سے اہم ہے یہ بنیادی کلمہ بھی ہے اور زبان کو سجانے اور سنوارنے والا عنصر بھی۔ عام طور پر اہل زبان محاورے کو زبان کا اصل ڈول اور کینڈا سمجھتے ہیں جو اہل زبان کے ہونٹوں پر رہتا ہے اور جسے نسلوں کے کئی ادوار میں استعمال کے بعد ایک سانچے میں ڈھال لیا ہوتا ہے اہل زبان اصرار کرتے ہیں کہ اسی کو صحیح اور درست سمجھا جائے۔ اہل دہلی کے محاورے کو میر کے اس بیان کی روشنی میں زیادہ اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں کہ میرے کلام کے لیے محاورہ اہل دہلی ہیں یا جامع مسجد کی سیڑھیاں یعنی جو زبان صحیح اور فصیح دہلی والے بولتے ہیں اور جو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر یا اس کے آس پاس سنی جا سکتی ہے وہی میرے کلام کی کسوٹی ہے۔ سید ضمیر حسن کے بقول:

> "محاورہ زبان میں استعاراتی عمل ہے جس میں کہیں تشبیہہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے کہیں تمثیل کا اور کہیں تلمیح کا۔ اس سے ایک خاص معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ معنی عام لغت کے تابع نہیں ہوتے۔ محاورہ ذہنوں میں ایک تصویر یا مجسمہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس سے وہی معنی سمجھے اور سمجھائے جاتے ہیں جو ایک طرح سے اس محاورے کے ساتھ روایت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ زمانہ بہ زمانہ لفظ، استعارہ یا تشبیہہ وغیرہ اپنے معنی میں تبدیلیاں پیدا کر لیتے ہیں"(۵)

محاورے کی خصوصیات

محاورہ کم سے کم دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے

محاورہ قواعد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا

محاورے کی بنیاد استعارے پر نہیں ہوتی البتہ محاورے کی بنیاد تمثیل پر ہو سکتی ہے

محاورے کے الفاظ میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس میں لفظوں کی جو ترتیب طے ہو وہی قطعی رہتی ہے۔ لفظوں کو آگے پیچھے کر دینے سے محاورہ اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔(۶)

محاورہ اپنے تعینات اور معنی میں مکمل ہوتا ہے اور یہ کسی قسم کے تصرف یعنی کمی بیشی یا تغیر کی مداخلت کو برداشت نہیں کرتا۔ محاورہ جوں کا توں اور قطعاً مناسب محل پر استعمال ہونا چاہیے۔ مثلاً مایوسی کو شدید بنانے کے لیے 'تم سے ہاتھ دھو چکے' کو 'تم سے دو ہاتھ دھو چکے' نہیں کیا جا سکتا۔

محاورے ایک خاص زمانہ اور ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور اسی لیے ایک مخصوص پس منظر رکھتے ہیں۔ یہ پس منظر سیاسی بھی ہو سکتا ہے مذہبی بھی تاریخی و ادبی بھی ہو سکتا ہے اور ثقافتی، معاشی اور معاشرتی بھی۔ لہٰذا جب تک ہمیں اس کے پس منظر کا صحیح علم نہیں ہو گا اس وقت تک ہم نہ تو اس کا اصل مفہوم سمجھ سکتے ہیں اور نہ صحیح طور پر اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔(۷)

محل استعمال ہی محاورے کی جان ہے بے محل استعمال سے نہ صرف مفہوم خبط ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات محاورہ مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔

پروفیسر انور جمال کے بقول:

> لفظ جب اپنے حقیقی معنوں کی بجائے غیر لغوی اور مجازی معنوں میں استعمال ہو تو یا استعارہ ہو گا، یا مجاز مرسل، یا محاورہ استعارے کے حقیقی اور غیر حقیقی معنوں کے درمیان تشبیہ رابطے کا کام دیتی ہے۔ مجاز مرسل کے حقیقی اور غیر حقیقی معنوں کے درمیان تشبیہ کے علاوہ کوئی اور چیز رابطہ بنتی ہے جبکہ محاورے کے حقیقی اور غیر حقیقی معنوں کے درمیان کوئی چیز رابطے کا کام نہیں دیتی۔"(۸)

محاورے کی تشکیل

محاورہ کس طرح تشکیل پاتا ہے؟ اس سوال کا جواب چرنجی لال کے اس بیان سے اخذ کیا جا سکتا ہے جس کے مطابق کوئی اصطلاح جسے چند آدمی اپنے کسی خاص مطلب کے اظہار کے لیے مقرر کرتے ہیں زیادہ عام ہو جاتی ہے اور بہت سے آدمیوں میں پھیل جاتی ہے اور اپنے پہلے معنی سے کسی قدر ملتے جلتے معنی اختیار کر لیتی ہے تو اس کو محاورہ کہنے لگتے ہیں۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

عورت کو محاورات کا موجد کہا گیا ہے۔ یہ بات مزید تحقیق کی محتاج ہے تاہم محاورات کی ایجاد میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے ان کے ایجاد کردہ محاورات میں تنوع ہے۔ تاہم محاورہ سازی کا سہرا کسی ایک شخص یا کسی ایک دور کے سر نہیں باندھا جا سکتا۔ ایک محاورہ ارتقائی مراحل سے گذر کر سند کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ اس کو ان مراحل سے گذارنے اور سند دینے والا انسان ہوتا ہے۔ کسی بھی زبان کی ایجاد میں فعال عامل لوگوں کا آپس میں رابطہ ہے۔ لغت کی ایجاد کی طرح انسان نے محاورہ سازی بھی ایجاد کی ہے۔

کبیر، نانک اور امیر خسرو کے دور میں جب اردو بولی سے زبان کی شکل میں ارتقاء پذیر ہوئی تو اردو کے محاورات کا جنم بھی ہوا۔ گفتگو سے تحریر کی شکل میں منتقل ہوتے ہوئے اور بولی سے شاعری اور نثر میں جاتے ہوئے اردو کے کئی محاورات نے اپنا وجود حاصل کیا ڈاکٹر یونس اگاسکر نے بھگت کبیر کے ہاں اردو محاورات کا سراغ لگایا ہے۔ کبیر نے فارسی محاوروں کو اردو میں ڈھال لیا تھا اور اور فارسی اشعار و ضرب الشال کو اپنے انداز میں پیش کیا۔ ایسے میں امیر خسرو کے ہاں اردو کے کئی محاورات کا وجود پہچانا جا سکتا ہے۔ اگر مجازی معنوں میں استعمال ہونے والی دو یا دو سے زیادہ الفاظ کی ترکیب کو محاورہ مان لیا جائے تو امیر خسرو کی پہیلیوں میں سے کئی محاورے معلوم ہو جائیں گے اس کے لیے بطور مثال مندرجہ ذیل پہیلی دیکھیے

بالا ہو تو سب کو بھائے　　　　اور بڑھے تو کام نہ آئے
لے دیا میں نے اس کا ناؤں　　　　بوجھے تو بوجھ نہیں چھوڑ دے گاؤں

اس پہیلی کے دوسرے مصرعے میں چراغ بڑھانا (چراغ بجھانا) کا محاورہ بھی پہیلی کی طرح چھپایا گیا ہے۔

امیر خسرو کے محاورات

پیٹ میں دانت ہونا	دنداں در شکم بودن
خالہ جی کا گھر	در خانہ خالگاں مہمان اوند
اس کی گرہ سے کیا جاتا ہے	ز گرہ او چہ می رود
ان تلوں میں تیل نہیں	نیست دریں تل تیلے
اندر اندر گھٹنا	دروں دروں میکاہیدند
ناک میں دم آنا	جان ایشان بہ بینی رسیدہ
ایک لاٹھی سے ہانکنا	بیک چوب ہمہ دارند خالم

چپکے چپکے پنہاں پنہاں

دکن میں بھی نئے محاورے پیدا بھی ہوئے دکن میں غزل کی تین سو سالہ روایت جو ولی دکنی پر اختتام پذیر ہوئی نے اردو کو محاورات کا مواد فراہم کیا۔ مثنویاں بھی محاوروں کا گہوارہ بنیں۔ پھر ریختی کا آغاز ہونے سے گھریلو خواتین کے احوال دکنی سے اردو میں آئے۔ دکنی سے اور سے اردوئے معلیٰ تک کے سفر میں ملا وجہی کی سب رس اور ولی دکنی کا دیوان اردو محاورے کی آماجگاہ بن گئے۔

جمیل جالبی کے بقول "احمد دکنی کی زبان کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یوسف زلیخا اور لیلیٰ مجنوں دونوں میں روزمرہ محاورے اور ضرب الامثال اسی طرح کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جس طرح نظامی گنجوی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ میں "

زلیخا جلبل یوسف کن آوے ولے یوسف نہ آگ اس کی بجھائے آگ بجھانا

سوجوں نکلی یکایک بات پر بات کہن لاگی کچ اپنا کھوبی اس سات بات پر بات

کیا محاورے میں تبدیلی ممکن ہے؟

محاوروں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر کسی لسانی اور ہیئتی تبدیلی کو در آنے کا موقع نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی زبان و بیان کے تغیرات کم ہی محاوروں کے لسانی ڈھانچے کو متاثر کر پاتے ہیں۔ محاوروں کو تبدیل نہ کرنا قدامت پسندی، روایت پرستی یا جدت کشی نہیں۔ حزم و احتیاط کی کارفرمائی کا ایک پہلو ہے۔ افراتفری کے خلاف ایک مجاہدہ ہے۔ یہ روک نہیں کہ نئے اسالیب وضع نہ کیے جائیں بلکہ اہتمام ہے کہ پرانوں کو مجروح یا برباد نہ ہونے دیا جائے۔ یہ پابندی اگر اٹھالی جاتی تو زبان من مانی کی کثرت کا شکار ہو کر رہ جاتی۔ معیار کا تصور پیش نظر نہ رہنے سے معیار اور زبان کی لطافت و پاکیزگی سے محروم ہو جانا ممکن تھا۔

محاورے کی افادیت

الطاف حسین حالی کے مطابق محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے۔ شعر بغیر محاورہ کے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر واقع ہو مگر محاورہ ہمیشہ خوبصورتی میں اضافے کا باعث بنتا ہے سید قدرت نقوی کے بقول محاورہ کلام میں استعمال کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ معنی کثیر الفاظ قلیل میں ادا ہو جاتے ہیں ڈاکٹر عبدالغفار کو کب کہتے ہیں کہ محاورات کسی زبان کی جان ہوا کرتے ہیں۔ یہ زبان کا

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

حسن اور اس کا گہنا ہوتے ہیں۔ نثر اور نظم دونوں میں محاورات کا بر محل استعمال زبان کو وسعت اور گہرائی عطا کرتا ہے

مصدر اور محاورے کا تعلق

ہر وہ لفظ جو کسی فعل مطلق سے ترکیب پاتا ہو محاورہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ محاورے کے اجزا میں سے کسی ایک کے مجازی معنی اختیار کیے گئے ہوں اور وہ مجازی معنی ایک نئے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوں۔ راجہ راجیسور راؤ اصغر کے مطابق محاورہ بطور اسم صفت بھی استعمال ہوتا ہے اس میں مصدر کا ہونا ضروری نہیں ہوتا البتہ 'ہونا' یا 'بننا' اسم صفت کے ساتھ لگھ سکتا ہے ایسے محاوروں کی مثال ہے 'موم کی ناک'۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ، یا اونٹ کے گلے میں بلی باندھنا اس لیے محاوروں میں شامل کیے جاسکتے ہیں کہ ان میں مختصر سی ترمیم کرکے ان کو جملوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ ضرب المثل کسی صورت بھی نہیں ٹوٹ سکتی۔ اس کے علاوہ محاورہ میں مصدر کی موجودگی ہوتی ہے اور ان میں مصدر موجود ہے یا پیدا کیا جاسکتا ہے۔

دو لفظوں سے مثل بن سکتی ہے اور محاورے میں دس لفظ ہوسکتے ہیں ایک مکمل جملہ محاورہ قرار پاسکتا ہے اور ایک مقطع جملہ یا فقرہ مثل ہو سکتا ہے۔ محاورات تصرف کے متحمل نہیں ہوتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مصدر قرار دے لیا جائے اور جس قدر افعال و تراکیب چاہیں بنائے چلے جائیں۔ اگر تعریف ہوتی بھی ہے تو بہت ہی شاذ ونادر مثلاً بیل منڈھے چڑھنا۔ کام پورا ہونا۔ اس میں دو ایک تصرفات ہوسکتے ہیں۔ بیل منڈھے چڑھے اس کی تصریف میں داخل ہو سکتا ہے مگر اس کے معنی ہوں گے اولاد بڑھے۔ کروٹ لینا۔ پہلو بدلنا مگر کروٹ بھی نہ لی کے معنی ہیں توجہ نہ کی۔ پروانہ کی۔ خدا خدا کرکے (بڑی دقتوں سے) اور خدا خدا کرو (جھوٹ کیوں بولتے ہو توبہ کرو) میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔(۹) محاورے کے استعمال میں مصدر کے جملہ مشتقات سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن اسے محاورے میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ سر سہرا رہنا– محاورہ ہے اس کی بجائے سر پر سہرا رہنا نہیں کہیں گے۔(۱۰)

محاورات کے مطلب کی سند کون؟ اساتذہ یا اہل زبان

محاورے کے وجود میں آنے کے اسباب اور منازل حیات و ارتقا کا پتا چلالینا، مفرد الفاظ کے وجود کی تحقیق سے زیادہ دشوار ہے اور لسانیات کے علاوہ معاشرت کی تاریخ سے بھی تعلق ہے(۱۱) بہت سے محاورے ہیں جن کی توجیہہ کی کوئی بنا نہیں ہو سکتی۔ کیا سرخاب کے پر لگے ہیں سرخاب ہی کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے؟ بطریق ترقع

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

طاؤس کے پر کیوں نہ لگائے جائیں۔ یا بطریق تنزل کوے کے پر کیوں نہ لگائے جائیں لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے محاورے کا معینہ و مخصوصہ الفاظ میں جانا لازم ہے۔(۱۲) میر امن نے باغ و بہار کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ جو لوگ اپنی سات پشتوں سے دہلی میں نہیں رہتے وہ دہلی کے محاورے میں سند نہیں قرار پا سکتے۔ اس کے مقابلہ میں لکھنو والے اپنی زبان پر اور اپنے شہر کے روزمرہ اور محاورے کو سند سمجھتے تھے۔ رجب علی بیگ سرور نے فسانہ عجائب میں میر امن کے دعویٰ کا جواب دیا اور کہا کہ لکھنو کی شہرت یہ ہے کہ باہر سے کوئی کیسا ہی گھامڑ آئے ہفتوں مہینوں میں ڈھل ڈھلا کر اہل زبان کی طرح ہو جاتا ہے

محاورات کے مطلب کو سمجھنے کے لیے لغات سے زیادہ اساتذہ کے کلام پر توجہ دی جاتی ہے۔ ضمیر دہلوی کی رائے یہ ہے کہ محاورات کے برجستہ استعمال کے لیے کوئی قانون اور قاعدہ نہیں ہے بس سینہ بہ سینہ ان کا نسل در نسل منتقل ہونا ہی ضروری ہے۔ قدما کی نثر کا مطالعہ کیجیے تو محاوروں پر قدرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی خیال کو لاگو کرتے ہوئے مالک رام کو یقین ہے کہ محاورے کے معنیٰ اور مصرف کا تعین اساتذہ کے کلام سے ہوتا ہے۔(۱۳)

محاورے کا مطلب سمجھنے کے طریقے

حافظ عبد الکریم نے اپنی تصنیف "محاورات اردو" میں لکھا ہے کہ محاورہ ایسا نا تمام جملہ ہوتا ہے جو بغیر کسی عبارت کے اپنا مطلب ادا نہیں کر سکتا۔ جیسے بغلیں جھانکنا، ششدر رہنا۔ وغیرہ اور ضرب المثل ایک مکمل جملہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے جملے یا عبارت کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کے آنے سے کلام میں خوبی پیدا ہوتی ہے۔ بعض جملے محاورہ اور ضرب المثل دونوں کا کام دیتے ہیں۔(۱۴)

محاورے کے مطلب کے حوالے سے ایک التزام اس کے تخصص اور تعمم کا فیصلہ ہے مثال کے طور پر گھاس کاٹنا کا مطلب جلد جلد بولنا بھی لیا جاتا ہے اور بے سلیقہ کام کرنا بھی۔ تخصص کا مطلب ہے کہ کیا یہ محاورہ صرف بولنے کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر طرح کے یعنی عمومی کاموں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

اضافی۔ محاورے کے دائرہ استعمال کا تعین کرنے میں جہاں اس کے تخصص و تعمم کا سوال ہوتا ہے وہاں اس کی اضافت اور تحدد کا معاملہ بھی درپیش ہوتا ہے۔ بعض اوقات کچھ افعال اور حالات محاورے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں ان سے بڑھ کر دیگر حالات اور افعال کو بھی ساتھ ملا لیا جاتے ہے اس کو اضافت کہیں گے اور جب اس کے دائرے کو کم کر دیا جائے تو اسے تحدد کہیں گے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

روزمرہ، لغوی و اصطلاحی مفہوم

سیفی پریمی نے روزمرہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " ایک خاص قسم کی ترتیب الفاظ جس کو اہل زبان نے اپنایا ہو اور جس کے خلاف بولنا فصاحت کے منافی سمجھا جائے۔ یا اہل زبان کی بول چال کے عام طرز کا نام روزمرہ ہے "[۱۵] شبلی نعمانی کے مطابق جو الفاظ اور جو خاص ترکیبیں اہل زبان کے بول چال میں زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہیں ان کو روزمرہ کہتے ہیں۔ روزمرہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے " بلکہ شبلی کے نزدیک "روزمرہ کے لیے فصیح ہونا لازم ہے۔ "[۱۶] سید محمود رضوی کے بقول دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا دائمی طور پر ہم رشتہ ہو جانا روزمرہ ہے

کیفی کے مطابق روزمرہ بیان کے اس اسلوب اور بول چال کو کہتے ہیں جو اہل زبان استعمال کرتے ہیں اس کے خلاف استعمال غلط سمجھا جاتا ہے۔ استفہام میں کون ذی روح کے لیے اور کون سا کون سی گیر ذی روح کے لیے روزمرہ ہے اس لیے یہ کہنا کون کتاب چاہیے روزمرہ نہیں کون سی روزمرہ ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو کلام صرف اور نحو کی رو سے بالکل صحیح ہو وہ روزمرہ کی رو سے غلط ہوتا ہے

محاورے اور روزمرہ میں فرق

محمود رضوی کے مطابق "جس طرح محاورے کے الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اسی طرح روزمرہ کے الفاظ میں بھی ناجائز ہے۔ لیکن ایک کی جگہ دوسرا استعمال کریں تو ناجائز ہو گا۔ یہ خصوصیت محاورہ اور روزمرہ میں مشترک ہے اس اشتراک کے ساتھ ایک وجہ امتیاز بھی ہے۔ محاورے کے الفاظ میں لغوی معنی باقی نہیں رہتے لیکن روزمرہ میں باقی رہتے ہیں۔ " [۱۷]

اگر تراکیب اہل زبان کی بول چال کے موافق ہیں لیکن ان میں لفظ مجازی معنوں میں مستعمل نہ ہو تو ہم انہیں روزمرہ کہیں گے اور اگر وہ بول چال کے بھی موافق ہوں اور مجازی معنوں میں مستعمل ہوں تو ان پر محاورہ کا اطلاق کریں گے۔ بقول حالی

> "روزمرہ اور محاورہ میں من حیث الاستعمال ایک اور بھی فرق ہے روزمرہ کی پابندی جہاں تک ممکن ہو تقریر و تحریر اور نظم و نثر میں ضروری سمجھی گئی ہے یہاں تک کہ کلام میں جس قدر کہ روزمرہ کی پابندی کم ہو گی۔ اسی قدر وہ فصاحت کے درجہ سے ساقط سمجھا جائے گا۔۔۔ مگر محاورہ کا ایسا حال نہیں ہے محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جائے تو

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے لیکن ہر شعر میں محاورہ باندھنا ضرور نہیں۔"(۱۸)

روز مرہ محاورے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ محاورے میں قواعد کی پابندی کی لازم نہیں اور روز مرہ قواعد کے رستے سے ہٹ کر چلتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ کلام میں روز مرہ سے قدم قدم پر سابقہ ہوتا ہے اور محاورے سے کبھی کبھی۔ سیفی پریمی کے نزدیک نثر یا نظم میں محاورہ استعمال نہ کیا جائے تو کوئی نقص لازم نہیں آتا لیکن روز مرہ کی پابندی نہ کرنے سے کلام فصاحت کے درجہ سے گر جاتا ہے محاورے کے برعکس روز مرہ میں حقیقی معنی تصور کیے جاتے ہیں۔ محاورے کے الفاظ کے لغوی معنی باقی نہیں رہتے لیکن روز مرہ کے باقی رہتے ہیں۔

روز مرہ سے مراد وہ الفاظ یا لفظ ہیں جو مقررہ لیکن غیر لغوی معنی میں کثرت سے برتے جاتے ہیں اور ان کی شکل میں کوئی تبدیلی جائز نہیں ہوتی۔ یک لفظی روز مرہ کی مثال میں ارے، اجی، اماں، بھئی وغیرہ الفاظ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ فقروں کی شکل میں روز مرے اردو زبان کی غیر معمولی صفت ہیں۔ مثلاً زور دینے کے لیے گنتی کی تکرار (چار چار آدمی، چھ چھ روٹیاں وغیرہ) اردو کی انتہائی خوبصورت صفت ہے اور یہ روز مرہ کی بھی شکل ہے۔ محاورے اور کہاوت سے بڑھ کر روز مرہ کا کامیاب استعمال ہمارے یہاں زبان دانی کی شرط ہے۔

محاورے اور روز مرہ میں الفاظ کا دائمی ارتباط وجہ مشترک ہے۔ جس طرح محاورے کے الفاظ میں تغیر تبدل نہیں کیا جا سکتا اسی طرح روز مرہ کے الفاظ میں بھی ناجائز ہے۔ اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روز مرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے لیکن روز مرہ اور محاورہ میں امتیاز کرنے کے لیے محاورہ کے ایک محدود معنی مان لیے گئے ہیں۔ اب محاورے کا اطلاق بطور خاص ان افعال پر ہوتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں

روز مرہ اور محاورہ کے اشتراک اور امتیازات درج ذیل ہیں

اشتراک: دونوں کے الفاظ کی تراکیب میں اہل زبان کی سند ہوتی ہے۔

امتیاز: روز مرہ حقیقی اور محاورہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مصدر 'نا' کی علامت محاورے کا عمومی وصف ہے روز مرہ میں مہمل الفاظ عموماً سابقہ اور لاحقہ بن کر آتے ہیں محاورے میں بھی قافیہ پیمائی اور تکرار الفاظ ہوتا ہے مہمل الفاظ برائے نام ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ برجموہن دتاتریہ کیفی، کیفیہ، دلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۷۵، ص: ۱۳۴

۲۔ سید محمد محمود رضوی، مخمور اکبر آبادی، اردو زبان اور اسالیب، کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۸۶

۳۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، لکھنو: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص: ۱۶۳

۴۔ پروفیسر محمد حسن، ہندوستانی محاورے، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۹ء ص: ۷

۵۔ سید ضمیر حسن دہلوی، مقدمہ، دہلی کے محاورے، ص ۱۱ تا ۱۹، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۸-۱۹

۶۔ محمد عطا اللہ خاں حیدر آبادی، دکنی محاورات: کہاوتیں، ضرب الامثال مع تشریح، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء ص: ۹

۷۔ محمد ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، "مقدمہ" ص ۷ تا ۹، محاوراتِ نکہت از ڈاکٹر محمد ذاکر حسین، پٹنہ: پاکیزہ آفسیٹ پریس، شاہ گنج، ۲۰۰۳، ص: ۷

۸۔ پریم پال اشک، روزمرہ و محاورہ غالب، دہلی: قصر اردو، ۱۹۶۹ء، ص: ۹

۹۔ قاضی تلمذ حسین "دیباچہ" ص ۱ تا ۱۶، معیار اردو از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل، حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، ۱۳۵۳ھ، ص: ۴-۵

۱۰۔ سیفی پریمی، ہمارے محاورے اور کہاوتیں، نئی دلی، مکتبہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، ۱۹۸۳، ص: ۶-۷

۱۱۔ رضوی، اکبر آبادی، اردو زبان اور اسالیب، ص: ۱۸۶

۱۲۔ تلمذ حسین، دیباچہ، معیار اردو، ص: ۹-۱۰

۱۳۔ مالک رام، مقدمہ، نریش کمار شاد، محاورات غالب، دہلی: کتب خانہ انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۷ء، ص: ۲

۱۴۔ لئیق صلاح، میر شمس الدین فیض حیات اور ادبی کارنامے، حیدر آباد: شگوفہ پبلیکیشنز، ۱۹۸۰، ص ۲۷۰

۱۵۔ پریمی، ہمارے محاورے، ص: ۸

۱۶۔ مولانا شبلی نعمانی، موازنہ انیس و دبیر، الہ آباد: لالہ رام نرائن لعل بک سیلر، ۱۹۳۶، ص ۴۶-۴۷

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

۱۷۔ رضوی، اکبر آبادی، اردو زبان اور اسالیب، ص:۱۹۷

۱۸۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، لکھنو: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص:۱۶۵-۶۶